آزادی کے تناظر میں اردو ناول کا اجمالی جائزہ

(نمائندہ ناولوں کے حوالے سے)

ڈاکٹر محمد فرید احمد

Dr. Muhammad Farid Ahmed

Lecturer, Department of Urdu,
Govt. Municipal Degree College, Faisalabad.

Abstract:

The partition of sub continent was a historic creation of two countries like Pakistan and India in 1947. This partition was a hope for the Muslims living in India under the British rule. Hindus were in majority in Hindustan so they were creating hurdles and suppressing the Muslim. Majority of the Muslims migrated from Hindustan having dreams for betterment peace, equality, justice and freedom of rights as well as religion. Unfortunately the migration created a lot of problems of disharmony, injustice, accomodation and self respect for the migrated people. Urdu novelists have successfully wrote above the history and circumstances related to the creation of Pakistan. This article throws light on those aspects related to the history of Pakistan through the representative novels.

جہاں ادب کو انسانی جذبات و احساسات کا ترجمان کہا جاتا ہے وہیں اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اپنے عہد کا عکاس بھی ہوتا ہے۔ بہت سے ادبا کی ادبی تحریروں کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کی شاعری، نثر اور مراسلات سے ادبی تواریخ مرتب کی گئی ہیں۔ کسی بھی فن پارے میں اُس عہد کے رجحانات و میلانات کی ترجمانی کا بخوبی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ محمد حسین آزاد کا تذکرہ ''تذکرہ شعرائے اردو'' اور میر تقی میر کا تذکرہ ''نکات الشعرا''، غالب و اقبال کے خطوط کے ساتھ ساتھ بہت سے تذکرے اور ادبی تحریریں اپنے عہد کی ادبی، سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی ماحول کی ترجمان ہیں۔

تحریکِ آزادی میں ادبا کی کاوشوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بہت سے ادیبوں نے ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ عملی طور پر آزادی کے حصول کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ اپنی تحریروں، تقریروں، مجلوں، اخباروں اور اجلاسوں میں بہ بانگِ دہل آزادی کے لیے اپنی عملی کاوشوں کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے ایک مضمون ''تحریکِ پاکستان اور ادیب'' میں اس حوالے سے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے:

> ''سرسید۔۔۔۔ کے معاونین میں سے مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، شبلی نعمانی، وقار الملک، ذکا اللہ دہلوی، چند ایسے ادبا ہیں جنھوں نے نہ صرف علی گڑھ تحریک کے مقاصد کو اہمیت دی بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی، تمدنی زندگی میں انقلاب پیدا کیا اور ایک جداگانہ قوم کا تصور پیدا کر کے سیاسی کامیابیوں کی راہ ہموار کی۔ بادی النظر میں ادیبوں کا یہ ہراول دستہ انیسویں صدی کے ثلث آخر میں تحریکِ پاکستان کے لیے ہی کام کر رہا تھا۔''(۱)

تحریکِ مجاہدین کے لیے مومنؔ کی مجاہدانہ کاوشیں، سرسید کی علمی، ادبی، سیاسی، سماجی خدمات، مولانا ظفر علی خاں کی شاعری اور صحافتی و سیاسی خدمات، شبلی نعمانی کی سیاسی شاعری، علامہ اقبالؒ کی شاعری اور خطبہ الہ آباد (۱۹۳۰ء)، حسرت موہانی کی شاعری اور قید و بند کی صعوبتیں، جوش ملیح آبادی کی ملی و سیاسی موضوعات سے بھرپور شاعری، آغا حشر کاشمیری کی نظم ''شکریہ یورپ''، میر غلام بھیک نیرنگ، حفیظ جالندھری اور احسان دانش کی بیشتر شاعری نے آزادیٔ ہند کے حصول اور قیامِ پاکستان تک کے سفر کی راہیں ہموار کی ہیں۔ مذکورہ شعرا اور ادبا کے علاوہ بہت سے نامور ادیبوں نے پاکستانی ادب کی ترجمانی کی ہے۔ آزادی کے بعد سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ''ادب و لسانیات'' میں شامل اپنے ایک مضمون ''پاکستانی ادب کی زبان کا مسئلہ'' میں پاکستانی ادب کی بابت رقم طراز ہیں:

> ''پاکستانی ایک قوم ہے تو جو ادب اس قومیت کا ترجمان اور اس قومی روایت کا امین اور علم بردار ہے، جو اس قومیت کے تصور کو فروغ دیتا ہے اور اس کی بنیادی اقدار کو تقویت پہنچاتا ہے وہی پاکستانی ادب ہے۔''(۲)

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے یہاں قومی، تہذیبی تشخص کی تشکیل و ترجمانی کا فقدان ہے۔ ضروری ہے کہ دانشور، ادبا اور فنونِ لطیفہ سے متعلق شخصیات کو پاکستانی قومی تشخص کی ترجمانی احسن اور

منظّم انداز سے کرنی چاہیے جو ابھی خال خال ہے۔ اسی جانب فیض احمد فیضؔ ''میزان'' میں شامل '' پاکستانی تہذیب کا مسئلہ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے ہاں چابک دست مصور بھی، نادر موسیقار بھی، اعلیٰ ادیب بھی، دستکار بھی، اداکار بھی ہیں جنھیں کچھ معلوم نہیں کہ کون ان سے کیا چاہتا ہے۔ وہ کن قدروں، عقیدوں، امنگوں، صعوبتوں، آرزوؤں اور طریقِ حیات کی ترجمانی کریں اور کس کے لیے کریں، ان مقاصد اور منازل کا تعین اور تفسیر بھی ایک حد تک اہلِ نظر ہی کا کام ہے۔'' (۳)

جہاں فیض احمد فیضؔ کا مذکورہ بالا شکوہ بھی قابلِ غور ہے وہیں اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ آزادی کے حصول کے لیے سیاسی، سماجی، شعوری اور نظریاتی احیا کے لیے ادبا کی خدمات قابلِ قدر ہیں اور ادبا کی ایک کثیر تعداد ان معاملات و مسائل کی ترجمان رہی ہے اور اب بھی ہے کہ جن کی تحریروں میں اس نوعیت کی عکاسی واضح ہے۔ غفور شاہ قاسم ایسے ادب کو زندہ و پائندہ قرار دیتے ہیں جو ظلم، جبر اور تشدد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ادبا کی کثیر تعداد نے مزاحمتی ادب کی صورت میں ان قوتوں کی مؤثر عکاسی کی ہے جو کسی معاشرے میں جبر و استبداد کی علم بردار ہوتی ہیں۔ غفور شاہ قاسم کا کہنا ہے:

> ''جو ادب ظلم اور بربریت کے خلاف اپنے ردِعمل کا اظہار نہیں کرتا کسی صورت زندہ ادب قرار نہیں دیا جا سکتا چنانچہ ادب میں مزاحمت اور احتجاج کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی جبر کی، جبر و استبداد جتنی شکلیں اختیار کرتا ہے ادب میں مزاحمتی اور احتجاجی رویے بھی اسی قدر شکلیں بدلتے جاتے ہیں۔'' (۴)

ادب میں جہاں تمام اصناف میں آزادی سے متعلق مضامین کی ترجمانی بخوبی دیکھی جاسکتی ہے وہیں پاکستانی اردو ناول میں آزادی کا حصول، تحریکِ آزادی، تاریخِ آزادی، معاملاتِ آزادی اور آزادی کے بعد آزاد ماحول کی ترجمانی اور مسائل کی نشان دہی بھی ناول کے صفحات و موضوعات سے واضح ہے۔ اس حوالے سے قرۃ العین حیدر، قاضی عبدالستار، عبداللہ حسین، خدیجہ مستور، فضل احمد کریم فضلی، جمیلہ ہاشمی، احسن فاروقی، انتظار حسین، قدرت اللہ شہاب، نسیم حجازی، ممتاز مفتی، رضیہ فصیح احمد، انور سجاد اور شوکت صدیقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حیات اللہ انصاری کا ناول ''لہو کے پھول'' پانچ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم ناول ہے جس میں ۱۹۱۱ء سے ۱۹۵۰ء تک کے تمام سیاسی مراحل کم وبیش طے کیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ جناح، گاندھی،

نہرو، مولانا آزاد اور حسرت موہانی جیسے تاریخی کردار بھی جلوہ گر ہیں۔ اس ناول میں اگرچہ مصنف نے پاکستان کے مطالبے کو رہنماؤں کی مفاد پرستی قرار دیا ہے اور مسلم لیگ کے مقابلے کانگرس کی حمایت بھی دکھائی دیتی ہے مگر اس میں تقسیمِ ہند اور فسادات کو قدرِ حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مسلمان گھرانوں کی اِملاک اور ان پر جبر اور عصمت دری جیسی صورتِ حال کو فسادات کے تناظر میں دکھایا گیا ہے:

> ''پھوپھی رونے لگیں۔۔۔۔ ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا ہے۔۔۔۔ یہ کم بخت عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں، وہ ہم سب جانتے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں۔۔۔۔ بی بیو!۔۔۔۔ اِدھر حملہ ہوا دھر کنوئیں میں پھاند پڑیں۔''(۵)

خواجہ احمد عباس کے ناول ''انقلاب'' میں انور کے ذریعے ہندوستانی معاشرے کی پرخطر اور پرفتن فضا کی عکس بندی بڑے خوب صورت انداز میں کی گئی ہے۔ انور ہندوستانی سماج میں غربت، ناداری، بیماری، بے روزگاری اور آپس میں نفرت اور تفریق سے نالاں تھا اور معاشرے میں اخوت اور مساوات کا قائل تھا۔ اسے ٹکڑوں میں بٹی آزادی کی نسبت متحدہ ہندوستان کی آزادی زیادہ عزیز تھی۔ جلیاں والا باغ، گاندھی کی آمد، تحریکِ خلافت، ہندو مسلم اتحاد کے مراحل طے کرتا ہوتا یہ ناول ۱۹۳۲ء تک کے مراحل تک پہنچتا ہے۔ ناول کا ہیرو انور اچھے مستقبل اور آزادی کے لیے پُر امید ہے:

> ''خواجہ احمد عباس کا یہ ناول کسی انقلابی یا تشدد پسندانہ سرگرمیوں کی ہرگز داستان نہیں۔ یہ تو تحریک آزادی کی کہانی ہے۔''(۶)

جیلانی بانو کے ناول ''ایوانِ غزل'' (۱۹۷۶ء) میں حیدرآباد کے حوالے سے جاگیردارانہ نظام کے زوال کے اسباب کی عکاسی کی گئی ہے۔ واحد حسین حیدرآباد کی زوال پذیر تہذیب کے عکاس ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا دولت کا حصول اور عیاشی ہے۔ اس ناول میں جاگیرداری کے بطن سے جنم لینے والے سرمایہ دارانہ نظام کی مثال واحد حسین کا بیٹا راشد ہے۔ ناول کا مرکزی خیال اس فلسفے میں پوشیدہ ہے:

> ''شکاری بدلتے ہیں۔ حصارِ تہذیب میں باوفا ہرنیاں محصور ہیں جس کا زندہ گوشت نہیں بکتا اس کو ذبح کر لیا جاتا ہے۔''(۷)

لالچ، ہوس، حسن پرستی اور دوسروں کی جائیداد پر قبضہ کرنا اس تہذیب کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ واحد حسین اپنے بھائی کی موت پر جشن مناتا ہے:

> ''احمد حسین کے خاندان کے بارے میں یہ سن کر کہ پاکستان جاتے ہوئے راستے میں مارا گیا، جشن منائے اور اس امر کے افواہ ثابت

ہونے پر، واحد حسین کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی۔''(۸)

رامانند ساگر کا ناول ''اور انسان مرگیا'' ۱۹۴۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس ناول میں انسان کی بے حرمتی، تذلیل، عصمت دری اور قتل و غارت کو موضوع بنا کر یہ بتایا گیا ہے کہ آزادی کے بعد انسانیت کا قتلِ عام ہوا۔ آزادی کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ حقیقی آزادی سے انسانیت کا وقار اور بحال ہو جاتا مگر ہر طرف درندگی اور خون تھا:

> ''آج صدیوں کی آزادی کے بعد ہندوستان آزاد ہو رہا تھا۔ اس کی آزادی کے لیے بہت سی قربانیاں دی گئیں تھیں۔۔۔۔ لیکن آج ان بے مثال انسانوں کے خون سے بھی زیادہ قیمتی شے قربان کی جارہی تھی۔۔۔۔ انسانیت!''(۹)

تحریکِ آزادی جن دو ناولوں کا بنیادی مرکزی موضوع بنا ہے۔ وہ ناول خدیجہ مستور جیسی ادیبہ کی تخلیق ہیں۔ ان ناولوں میں ''آنگن'' اور ''زمین'' کو آزادی کے موضوع کے حوالے سے اہم شمار کیا جاتا ہے۔ ''آنگن'' میں بڑے چچا کی کانگرس سے محبت اور چھوٹے بھائی کی مسلم لیگ سے عقیدت اور طرف داری، تحریکِ پاکستان کے تناظر میں ان دونوں جماعتوں کے مقاصد اور نظریات پر خوب صورت لفظی پیکر تراشی کی مثال ہے۔ عالیہ اس ناول کا مرکزی کردار ہے جب کہ صفدر جیسے موقع پرست آزادی کی آڑ میں مادیت پرستی کی مثال ہیں۔ خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کے بعد ''زمین'' میں اس ابتر اور لوٹ کھسوٹ جیسی صورتِ حال کی عکاسی ہے جس کا تصور کبھی بھی اُن لوگوں نے نہیں کیا تھا جو بہتر مستقبل اور امن کا خواب لے کر پاکستان ہجرت کر کے آئے تھے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان خدیجہ مستور کے ناول ''زمین'' سے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''خدیجہ مستور کا ناول ''زمین'' آزادی کے بعد سیاسی، معاشی اور تہذیبی کش مکش کی داستان ہے جہاں انسان اپنے ماضی میں کیے گئے عہد کو بھول کر دولت اور کھوکھلی عزت سمیٹنے میں مصروف ہے۔''(۱۰)

جمیلہ ہاشمی کے ناول ''تلاشِ بہاراں'' میں بھی انسانیت کو اہمیت دی گئی ہے اور قتل و غارت اور فساد کی مخالفت کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ''آزادی کے وقت اردو ناول کے خدوخال'' میں آزادی کے بعد اردو ناول کے موضوعات سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''آزادی کے وقت ہماری معاشرتی صورتِ حال کیا تھی۔ اسی معاشرتی صورتِ حال کی عکاسی بالخصوص آدرشوں کے ٹوٹنے اور ایک نئے خود غرض سماج کے ظہور میں آنے کی داستان سے ہمارا

ناول بھرا پڑا ہے۔''(۱۱)

قیامِ پاکستان کے بعد اردو ناول نے آزادی کے بعد پیش آنے والی صورتِ حال کو جس انداز سے اپنے موضوعات کا حصہ بنایا ہے اور جس تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے یہ عکاسی کسی اور ادبی صنف میں دکھائی نہیں دیتی۔ ابھی قیامِ پاکستان کے بعد پیش آنے والی تبدیلیاں ہی زیرِ نظر تھیں کہ ناول نگار کی توجہ سقوطِ ڈھاکہ جیسے عظیم سانحہ نے اپنی طرف مبذول کرائی۔ چنانچہ اس تناظر میں بھی بہت سے ناول تحریر ہوئے جن میں اس الم ناک واقعہ کو کرداری صورت میں سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی حوالے سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حوالے سے الطاف فاطمہ کا ''چلتا مسافر''، رضیہ فصیح احمد کا ''صدیوں کی زنجیر''، سلمیٰ اعوان کا ''تنہا''، طارق محمود کا ''اللہ میگھ دے''، مستنصر حسین تارڑ کا ''راکھ'' قابلِ ذکر ہیں۔

اس حقیقت سے اختلاف ممکن نہیں کہ اردو ناول نے آزادی کے بعد اپنے موضوعات کو وسعت سے ہمکنار کیا ہے۔ آزادی کے بعد وہ موضوعات اس کا حصہ بنے جن کا تعلق اس تہذیب اور یہاں کے انسان سے تھا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ جس طرح تاریخ کے مضمون میں تشکیل پاکستان اور اس کے بعد والی صورتِ حال کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اسی طرح پاکستانی اور ہندوستانی تہذیب و معاشرت سے وابستہ ادیب آزادی سے متعلق موضوعات و اثرات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ موضوع کسی نہ کسی صورت میں اس خطے کے ادبا کی تحریر میں شامل ہو جائے گا۔ اصنافِ ادب اردو میں ناول میں اس کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔ چنانچہ اس تناظر میں قرۃ العین حیدر، خدیجہ مستور، نثار عزیز بٹ، ڈاکٹر احسن فاروقی، عبداللہ حسین، غلام الثقلین نقوی، ممتاز مفتی، انتظار حسین اور مستنصر حسین تارڑ کے ناول اور نام قابلِ ستائش ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو نثر کے آفاق، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۵ء، ص: ۲۲۸

۲۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ادب و لسانیات، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س ن، ص: ۱۳۲

۳۔ فیض احمد فیض، میزان، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۶۵ء، ص: ۹۶

۴۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، راول پنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص: ۳۶۳

۵۔ حیات اللہ انصاری، لہو کے پھول، جلد پنجم، لکھنؤ: کتاب داں، ۱۹۶۹ء، ص: ۲۳۸۰

۶۔ محمد عارف، پروفیسر، ڈاکٹر، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۱ء، ص: ۵۶۵

۷۔ ایضاً، ص: ۵۷۱

۸۔ ایضاً، ص: ۵۶۸

۹۔ رامانند ساگر، اور انسان مر گیا، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، س ن، ص: ۱۵

۱۰۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۴۳

۱۱۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول، کراچی: مطبع احمد برادرز، ۲۰۰۸ء، ص: ۷۶

☆......☆......☆